افکار و مسائل

مغربی دنیا میں اقتصادی تعاون

یہ دور تعاون کا دور ہے۔ امیر اور طاقتور ملکوں کا فرض ہے کہ وہ پسماندہ اور کمزور ملکوں کی مدد کریں۔ لیکن کیا یہ پسماندہ ملکوں کی آزادی اور خود مختاری کو نقصان پہنچائے بغیر ممکن ہے ؟

۱۹۴۷ء کے وسط میں سوویٹ یونین نے چند اسباب کے پیش نظر جن کی نوعیت کا پتہ بعد میں چلا امریکہ کے وزیر خارجہ مسٹر جارج سی۔ مارشل کی امداد کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ اس لمحے کے بعد سے دنیا دو واضح اور الگ اقتصادی اکائیوں میں تقسیم ہو گئی۔

مارشل کی پیشکش سے پہلے یورپ میں زمانہ بعد از جنگ کی اقتصادی بحالی سست رفتار بھی تھی اور ناہموار بھی۔ یونرا اور مدد کی دوسری ہنگامی سکیمیں مصیبت کو کم کرنے اور پیداوار کے عمل کو از سر نو بروئے کار لانے میں اپنا فرض ادا کر چکی تھیں۔ چند ملک بالخصوص برطانیہ مشکلات پر قابو پانے کے لیے امریکہ سے قرض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، اور خود برطانیہ نے بھی یورپ کے متعدد ملکوں کو پچاس کروڑ ڈالر تک قرضے دیے تھے۔ لیکن یورپ کو ایک مشترکہ اور مرتکز منصوبہ کاری کی ضرورت تھی۔ بعد از جنگ کی اقتصادی صورت حال کا نازک ترین پہلو باقی ماندہ ادائیگیوں کا فرق تھا جو بہت زیادہ تھا۔ ساری دنیا امریکہ کی مقروض تھی۔ یورپ میں ادائیگیوں کے فرق یعنی غیر ملک کو واجب الادا رقوم کے مقابلے میں واجب الوصول رقم کی کمی کا اندازہ ۱۹۴۶ء میں اٹھاون کھرب ڈالر تھا، اور ۱۹۴۷ء میں پچھتر کھرب ڈالر۔ اس میں صرف واجب الادا ڈالروں کی کمی کا اندازہ ۱۹۴۷ء میں بیالیس کھرب ڈالر، اور

۱۹۴۷ء میں چون کھرب ڈالر تھا۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ یورپ اپنے وسائل سے زیادہ خرچ کر رہا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ اس کا قلیل اندوختہ بہت جلد ختم ہو جائے لیکن اگر یورپ کو اپنے وسائل کی حدود کے اندر اندر رہنا پڑتا تو اس کے لیے ضروری ہو جاتا کہ وہ درآمد میں تخفیف کرے۔ معیار زندگی کو پست کرے۔ ملازمتوں میں چھانٹی کرے اور اقتصادی بحالی کی رفتار کو مجموعی طور پر سست کر دے۔ اس کے جو سیاسی نتائج ہو سکتے تھے وہ کافی بدیہی تھے۔ صورت حال کی اصلاح کا واحد طریقہ یہ تھا۔ کہ باہر سے مسلسل مدد ملے اور وافر۔ امریکہ واحد ملک تھا جس کے پاس اس قسم کی مدد دینے کے وسائل بھی تھے اور جو ان وسائل کو صرف کرنے کے لیے آمادہ بھی تھا۔

ہاورڈ یونیورسٹی میں اپنی مشہور تقریر کرتے ہوئے مسٹر مارشل نے امریکی مدد کے لیے صرف ایک شرط قائم کی۔ اقتصادی بحالی کے لیے ایک ہمہ گیر منصوبہ خود یورپ کو تیار کرنا چاہیے۔ اس منصوبے کے بعد مدد کے معاملے میں امریکہ سے جو ہو سکے گا وہ کر دے گا۔ یورپ کی تمام حکومتوں کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ ماسکو نے دعوت نامے کو دو ٹوک مسترد کر دیا۔ سوویٹ بلاک کے ساتوں ملکوں نے بھی یکے بعد دیگرے اسے مسترد کر دیا۔

سولہ یورپی ملکوں نے جن میں روایتی غیر جانبداری کے حامی سویڈن اور سوئٹزرلینڈ بھی تھے جولائی میں پیرس پہنچنے کی دعوت قبول کر لی۔ پہلا قدم یہ تھا کہ یورپی اقتصادی تعاون کے لیے ایک کمیٹی قائم کی جائے۔ اس کمیٹی نے فوراً ہی یورپ کی ضرورتوں کا اندازہ لگانے اور بحالی کا تفصیلی پروگرام تیار کرنے کا وسیع مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کارروائی شروع کر دی۔ یورپ کی ضرورتوں کا اندازہ دو سو بیس کھرب ڈالر لگایا گیا اور یہ رقم چار سال میں خرچ ہونی تھی۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں پریذیڈنٹ ٹرومین نے اقتصادی تعاون کا مسودۂ قانون

کانگریس میں پیش کر دیا اور اپریل ۱۹۴۸ء تک کانگریس نے اسے پاس کر کے قانون کی شکل دے دی۔ اس بے مثل برق رفتار ترقی کا باعث کچھ تو حکومت امریکہ کی یہ خواہش تھی کہ یورپ کو فوری اور موثر مدد دی جائے اور کچھ یہ احساس کہ صورت حال انتہائی نازک ہے۔ مدد کے مارشل پروگرام میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کی بنا پر کوئی شکی سے شکی شخص بھی اسے سامراجی عزائم کا آلہ قرار دے سکے۔ واحد شرط یہ تھی کہ اگر کسی ملک نے چند ملکوں یعنی کمیونسٹ بلاک کو جنگی سامان یا حربی ضرورتوں کی اشیاء فراہم کیں تو اس کی مدد بند کر دی جائے گی۔ بعد میں اس تجویز کو پھیلا کر بد نام ضابطہ جنگ کی شکل دے دی گئی۔

مدد آزادانہ دی گئی اور اس کا بیشتر حصہ خالص تحفے کے طور پر۔ یہ متعدد شکلوں میں دی گئی۔ اشیاء، خام مال، ٹیکنیکل مدد، نقدی اور قرض کی سہولتیں۔ ہر ملک کا پروگرام اس کے اور حکومت امریکہ کے مابین معاہدے کے تحت قرار پاتا تھا۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ معاہدہ دو آزاد اور خود مختار حکومتوں کے درمیان ہوتا تھا، اور یہ کہ منصوبے کی تیاری اور اندرون ملک مدد کی تقسیم کے سلسلے میں تمام فیصلے کلیتہً مدد وصول کرنے والا ملک ہی کرتا تھا۔

اس پروگرام کا جسے بحالی یورپ کے پروگرام کا نام دیا گیا تھا ایک اہم پہلو "جوابی فنڈ" کا قیام تھا۔ جوابی فنڈ کے قیام کا مطلب یہ تھا کہ بیرونی مدد کے ذریعہ جو کثیر رقوم ملک میں آنے والی تھیں ان سے پیدا ہونے والی افراط زر کے خطرات سے ملک کا تحفظ کیا جائے۔ جوابی فنڈ کا طریقہ یہ تھا کہ جس ملک کو جتنے ڈالر کی مدد ملتی تھی اسے اس کے مطابق رقم قومی خزانے میں حساب "محفوظ" میں جمع کرنی پڑتی تھی۔ مقامی کرنسی کا یہ جوابی فنڈ اقتصادی تعاون کے ادارے کے ایڈمنسٹریٹر کی رضامندی کے بغیر جو حکومت امریکہ کا ایک سینئر افسر ہوتا تھا خرچ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عملاً یہ کنٹرول کسی ملک کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا بلکہ امریکنوں نے جو ہمدردانہ رویہ اختیار کیا وہ کم ترقی یافتہ ملکوں کے لیے

بہت بڑے فائدے کا باعث بنا۔

۱۹۴۷ء میں یورپ تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا۔ اس کا اقتصادی نظام ابتر ہو چکا تھا اور سیاسی استحکام خطرے میں تھا۔ ۱۹۵۱ء تک اقتصادی بحالی اگرچہ نقطۂ تکمیل تک نہیں پہنچی تھی لیکن اس معاملے میں قابل قدر اور پائدار حد تک پیش قدمی ہو چکی تھی۔ شمالی اٹلانٹک کے ممالک کا معاہدۂ دفاع عالم وجود میں آ چکا تھا اور کمیونزم جارحانہ انداز کی بجائے مدافعتی انداز اختیار کر چکا تھا۔

۱۹۵۱ء میں امداد کے مارشل منصوبے کے خاتمے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مغرب میں اقتصادی تعاون کی ضرورت پوری ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ صرف گہرے رابطے کے دور کا نقطۂ آغاز تھا اور بھرپور اقتصادی ربط باہم کا دیباچہ۔ اگرچہ اقتصادی مدد رسماً ختم ہو گئی تھی لیکن ۱۹۵۱ء کے بعد بھی مغربی یورپ میں تقسیم کرنے کے لیے اقتصادی تعاون کے ادارے کے پاس کھربوں ڈالر موجود تھے۔

مارشل سکیم کا تنظیمی نظام برقرار رہا۔ یورپی اقتصادی تعاون کے ادارے نے جس کا صدر دفتر پیرس میں تھا اپنے مشاورتی اور اصلاح کارانہ فرائض کی انجام دہی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس ادارہ کے اٹھارہ ممبر ہیں جن میں ٹریسٹے کا اینگلو امریکی زون بھی شامل ہے۔ اس کی ایک کونسل ہے جس میں اٹھارہ ممبر ملکوں کے مقرر کردہ ڈیلی گیٹ شامل ہیں، اور ایک ایگزیکٹو بورڈ جو سات ممبروں پر مشتمل ہے۔ ہر ممبر کو کونسل منتخب کرتی ہے۔ کونسل کے فیصلے کے سلسلوں میں ایک بات بہت اہم ہے۔ ہر فیصلے کے لیے اتفاق رائے ضروری ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے ملک کو بھی اپنی بات کہنے اور منوانے کا حق حاصل ہے۔ امریکہ اور کینیڈا کونسل کے پورے ممبر نہیں لیکن ادارے کی سرگرمیوں کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ہے۔

جس کام میں یورپی اقتصادی تعاون کے ادارے کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی

ہے وہ تجارت کو "آزاد تر" بنانے کا پروگرام ہے۔ جب اس ادارے نے کام شروع کیا تو تجارت کی مقداری پابندیوں کی وجہ سے یورپی ملکوں کے درمیان تجارت میں زبردست رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ تجارت کو آزاد تر بنانے کا ایک مشترکہ ادارہ قائم کیا گیا۔ اقتصادی تعاون کے ادارے نے ہر مرحلے پر اپنے ممبروں کو تلقین کی اور انھیں اس پر ابھارا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے سو فی صدی آزاد تجارت کے اصول کو اپنانا چاہیے جس کی بنیاد ۱۹۴۸ء کی درآمد پر ہو۔ معدودے مستثنیات کو چھوڑ کر یورپ میں آزاد تجارت کے اصول پر پچھتر فی صدی عمل ضرور ہو رہا ہے۔ صرف فرانس، یونان اور ٹرکی اس معاملے میں پیچھے ہیں۔ آخری منزل یہی ہے کہ یورپ میں ایک مشترکہ مارکیٹ قائم کی جائے لیکن اس معاملے میں جو مشکلات ہیں ان میں مقداری پابندیاں صرف ایک مشکل ہیں۔ مثال کے طور پر محاصل کا مسئلہ نسبتاً بڑا مسئلہ ہے اور مشکل بھی۔

یورپی اقتصادی تعاون کے ادارے نے ایک اور مفید اور اہم کام یہ کیا ہے کہ مغربی یورپ کے ملکوں کے درمیان تجارت کے قرضوں اور باقیوں کی اجتماعی ادائیگی کا انتظام کر دیا ہے۔ اس سے پہلے تجارت میں اس بنا پر بھی رکاوٹ پڑتی تھی کہ بہت سے ملک اپنے حسابات میں اپنے اُن تجارتی رفیقوں کے ساتھ الگ الگ واصل باقی برقرار رکھنے کی کوشش کرتے تھے جن کی کرنسیاں نسبتاً کمیاب ہیں۔ اس ادارے نے اجتماعی ادائیگیوں کا انتظام کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بینکوں کے کلیرنس ہاؤس کی طرح انھیں یکجا کر دیا جائے تاکہ ادائیگیوں کا فیصلہ کرنے میں سہولت ہو۔ یہ انتظام اطمینان بخش طریقہ پر چلتا رہا لیکن اس نظام میں ان ملکوں کو کریڈیٹ کی سہولتیں نہیں ملتی تھیں جو ادائیگیوں کے توازن میں عارضی طور پر خسارے میں تھے اور نہ اس نظام میں ایسی کوئی بات تھی کہ صورتِ حال کی ازخود اصلاح ہوتی رہے۔

جولائی ۱۹۵۰ء میں ادائیگیوں کی جو یورپی یونین قائم کی گئی اس کا مقصد انھی

مشکلات پر عبور پانا تھا۔ ابتدائے کار میں ہی اس ادارے کو پچیس کروڑ ڈالر کا عطیہ مل گیا۔ اور یہ ڈالر قابل مبادلہ تھے۔ اس طرح نہ صرف خود فنڈ کو استحکام حاصل ہو گیا بلکہ مبادلہ پذیر ڈالروں کا ایک مشترکہ ذخیرہ بھی دستیاب ہو گیا جس سے فنڈ کے ممبر عارضی سہولتیں حاصل کر سکتے تھے۔ پہلے خیال یہ تھا کہ ادائیگیوں کی یورپی یونین ایک سال سے زیادہ قائم نہیں رہے گی لیکن اس کا خاتمہ اس وقت تک چار بار ملتوی ہو چکا ہے۔ سب سے زیادہ حقیقی مشکل یہ ہے کہ چند ملکوں میں مستقل مقروض اور چند میں مستقل قارض ہونے کا رجحان موجود ہے۔ اس صورت حال میں کوئی بھی نظام زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس وقت تک یہ نظام قائم رہا ہے کیونکہ اس کے مختلف ممبروں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے آمادگی اور دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔

یورپی اقتصادی تعاون کے ادارے کے علاوہ جس کی سرگرمیاں بہت وسیع ہیں، یورپ میں بعد از جنگ اقتصادی تعاون کا سب سے بڑا تجربہ کوئلے اور فولاد کا اشتراک ہے۔ اس اشتراک میں چھ ملک شامل ہیں۔ فرانس، بلجیم، جرمنی، ہالینڈ، لکزمبرگ اور اٹلی۔ اس مقصد کے لیے ۱۰ اگست ۱۹۵۲ء کو ایک ادارہ قائم کیا گیا جو کئی ماہ کے بحث مباحثہ کا نتیجہ تھا۔ مشترکہ ادارہ جس کا صدر دفتر لکزمبرگ میں ہے سہ سطحی نظام پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک مقتدر اعلیٰ جماعت ہے جس کے نو ممبر ہیں۔ یہ جماعت بنیادی ایگزیکٹو جماعت ہے۔ اس کے بعد ایک کونسل ہے جس میں چھ ممبر ملکوں کے ڈیلی گیٹ شامل ہیں۔ اس کونسل کا کام یہ ہے کہ مقتدر اعلیٰ جماعت کے فیصلوں اور اپنے ممبر ملکوں کی اقتصادی پالیسیوں کے درمیان ربط باہم پیدا کرے۔ تیسری سطح پر ایک اسمبلی ہے جس کے ممبروں کی تعداد ۷۸ ہے ان ممبروں کو یا تو چھ ممبر ملکوں کی پارلیمنٹیں مقرر کرتی ہیں اور یا انھیں ہر ملک میں عام ووٹ شماری کے ذریعہ منتخب کر لیا جاتا ہے۔ اس قسم کی تنظیم قومی اور ماوراء القومی نقطہ ہائے نظر کے درمیان ایک سمجھوتہ ہے جو قدرے ناتسلی بخش بھی ہے۔

بہرحال مشترکہ مارکیٹ کا ایک ڈھانچہ قائم کرنے میں کافی کامیابی ہوئی ہے۔ مقتدر اعلیٰ جماعت بجا طور پر اپنی سرگرمیوں کو محاصل، کوٹوں اور اس قسم کی دوسری پابندیوں پر مرکوز رکھتی ہے جو اشتراک میں شامل ہونے والے ملکوں کے درمیان خام اور تیار شدہ مال کی آزادانہ آمد و رفت میں مزاحم ہوتی ہیں۔ ۱۰ فروری ۱۹۵۳ء کو کوئلے، خام لوہے اور ردی لوہے کی مشترکہ مارکیٹ عالم وجود میں آ گئی۔ بعد میں فولاد بھی اس کی ذیل میں آ گیا۔ اور اگست ۱۹۵۴ء کو جب فولاد کی مخصوص اقسام بھی اس کی ذیل میں آ گئیں تو مشترکہ مارکیٹ کا عمل نقطۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ بہرحال تھوڑا بہت مقابلہ اب بھی باقی ہے۔ مال کی تیاری کرنے والوں اور مخصوص مراعات یافتہ خریداروں کے درمیان پرائیویٹ انتظامات کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ اگرچہ نو بنیادی مرحلوں کی بنیاد پر قائم کردہ یکساں قیمتوں کی فہرست نافذ العمل ہے لیکن خود مقتدر اعلیٰ جماعت کو بھی تسلیم ہے کہ یہ نظام تکمیلی حیثیت کو نہیں پہنچا۔ اس کے اقتدار کے لیے ایک چیلنج یہ ہے کہ خود اشتراک کے اندر ہی برآمد کرنے والوں کا ایک اجتماع عالم وجود میں آ گیا ہے اور مقتدر اعلیٰ انجمن کو نہ تو اس اجتماع کی سرگرمیوں پر کنٹرول حاصل ہے اور نہ وہ ان کی نگرانی کرتی ہے۔ اس اجتماع کو ختم کرنے یا کم کرنے یا کم سے کم اسے مقتدر اعلیٰ جماعت کے زیر احتساب لانے کی کوششیں تاحال کامیاب نہیں ہوئیں۔

اگرچہ اشتراک کے کئی اچھے نتیجے نکلے ہیں اور اس کے ممبر ملکوں کے درمیان تجارت کو نمایاں فروغ حاصل ہوا ہے لیکن بہت سے مشکل فیصلے اسے ابھی کرنے ہیں۔ اس معاملے میں یہ اشتراک خوش قسمت ہے کہ ۱۹۵۳ء کے ایک مختصر سے دور کے ماسوا مانگ میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اندریں حالات مال کی فراوانی اور پیداوار کی نئی منصوبہ بندی کے مسائل کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ لیکن اگر اس اشتراک کو اپنے اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے ہیں تو اس کے لیے ان مسائل سے نبٹنا ناگزیر ہے۔

اسی طرح بینیلکس کا تجربہ بھی کامیاب رہا ہے۔ یہ تجربہ اگرچہ جغرافیائی طور پر ایک محدود رقبے میں ہوا لیکن اقتصادی جامعیت کے اعتبار سے یہ وسیع تر ہے۔ یہ سکیم جس کا مقصد بلجیم لگزمبرگ اور ہالینڈ کے اقتصادی نظاموں میں وحدت قائم کرنا تھا، ان ملکوں کی جلا وطن حکومتوں نے زمانۂ جنگ میں لندن کے مقام پر تیار کی تھی۔ اس سکیم کا مقصد یہ تھا کہ نشیبی ممالک کے تمام وسائل کی (جس میں محنت اور سرمایہ بھی شامل تھے) ایک مشترکہ مارکیٹ قائم کی جائے۔ اس سکیم کا بنیادی طریق کار بھی یہ تھا کہ رفتہ رفتہ کوٹوں۔ لائسنسوں، محاصل اور اس قسم کی دوسری رکاوٹوں کو جو ان تین ملکوں کے درمیان مال کی آزادانہ آمد و رفت میں مزاحم ہوتی تھیں، دور کیا جائے۔ شروع شروع میں ترقی کی رفتار سست تھی اور ایسا نظر آتا تھا کہ یونین ٹوٹ جائے گی۔ پہلی بات یہ تھی کہ اس کا ایک ممبر ہالینڈ ادائیگیوں کے ناموافق توازن کی وجہ سے مشکلات میں مبتلا تھا۔ بعد میں بلجیم کے اقتصادی نظام کے چند شعبوں بالخصوص پارچہ بافی کے کارخانوں اور زراعتی اداروں نے محسوس کیا کہ وہ ہالینڈ میں پیداوار کی کم لاگتی کی وجہ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ابتدائی مشکلات کی جزوی وجہ دونوں ملکوں کے اقتصادی نظام کی مختلف نوعیت تھی۔ بلجیم میں حکومت تجارت میں دخیل نہیں ہوتی، اور ہالینڈ میں صورت حال اس کے برعکس ہے۔ مزید برآں بلجیم کے مقابلے میں ہالینڈ میں تنخواہوں کی سطح نمایاں طور پر کم تھی۔ بہر حال پچھلے دنوں صورت حال میں کافی بہتری ہوئی ہے اور مکمل اقتصادی وحدت ممکن العمل نظر آتی ہے۔ اب تینوں ملکوں کے درمیان سرمائے کی آزادانہ نقل و حرکت ہوتی ہے۔ آزادانہ تجارت کی اشیا کی ایک مشترکہ فہرست موجود ہے۔ بیرونی تجارت کی ایک مشترکہ پالیسی ہے۔ اور مالی پالیسیوں کے متعلق بہت بڑی حد تک سمجھوتہ ہو چکا ہے۔

ٹرانسپورٹ اور زراعت کے میدانوں میں یورپی وحدت کے لیے دو تجویزیں اختیار کی گئی ہیں، مختصراً ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ابھی تک ان میں سے کوئی بھی سکیم کاغذی

نقشوں سے آگے نہیں بڑھی۔ مفاد مستقلہ، ان سکیموں کی اقتصادی قدر و قیمت کے متعلق شک و شبہ اور اقتصادی وحدت کے سارے نظریے ہی کو شکوک کی نظروں سے دیکھنے کی عادت نے انھیں پنپنے نہیں دیا لیکن یہ بات دائرہ ممکنات میں اب بھی ہے کہ کبھی ان کو عملی جامہ پہنا دیا جائے۔

آج اس ضرورت کو اہم ترین اقتصادی فرض تسلیم کر لیا گیا ہے کہ نا ترقی یافتہ ملکوں کی مدد کی جائے اور انھیں اس قابل بنایا جائے کہ وہ زندگی کے ماحول کو بہتر بنا سکیں، بیماری کا مقابلہ کر سکیں، اشیائے ضروریہ کا زیادہ استعمال کر سکیں اور اپنے عمومی معیار زندگی کو زیادہ اونچا کر سکیں۔ پسماندہ ملکوں میں اضافہ آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح نے اس فرض کو اور بھی اہم بنا دیا ہے۔ مغرب کے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں اور شمالی امریکہ کے انسانی وسائل روپیہ اور سامان، نا ترقی یافتہ ملکوں میں سڑکیں، بجلی گھر، پل، بندرگاہیں، سکول اور ہسپتال بنانے میں کئی نسلوں سے صرف ہو رہے ہیں۔ سوویٹ پروپیگنڈسٹ اسے سرمایہ دارانہ سامراج کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ اقتصادی ترقی تھی اور بہت اہم قسم کی اقتصادی ترقی۔

اس مسئلے کی وسعتوں کا پوری طرح اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن مئی ۱۹۵۱ء میں ماہروں کے جس گروپ نے اقوام متحدہ کو رپورٹ پیش کی تھی اس کا اندازہ تھا کہ نا ترقی یافتہ ملکوں میں قومی آمدنی کو صرف اس حد تک بڑھانے کے لیے کہ فی کس آمدنی میں ۲ فیصدی سالانہ کا اضافہ ہو جائے ایک سو بیس کھرب سالانہ غیر ملکی مدد کی ضرورت ہے۔

پسماندہ ملکوں کی مدد کرنے کے معاملے میں آزاد دنیا کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کا نمایاں ترین اعتراف صدر ٹرومین نے ۲۰ رجنوری ۱۹۴۹ء کو اپنے یادگار افتتاحی ایڈریس میں کیا تھا مسٹر ٹرومین نے اپنی خارجہ پالیسی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے چوتھے نکتے کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی "ہمیں ایک نئے اور جرأت مندانہ پروگرام کی ابتدا کرنی چاہیے۔ جس کا

مقصد یہ ہو کہ ناترقی یافتہ ملکوں کو ان کی اصلاح اور ترقی میں اپنی سائنسی اور صنعتی ترقیوں سے بہرہ مند ہونے کا موقع مہیا کیا جائے۔" ۱۹۵۰ء میں صدر ٹرومین نے اپنی اس خیالی تجویز کو بین الاقوامی ترقی کے قانون کی شکل دے کر عملی جامہ پہنا دیا۔

لیکن کانگرس نے ایسی رقوم کی منظوری دینے کی بجائے جو ٹرومین کے نقطۂ چہارم کے مطابق مدد کی ہمہ گیر سکیم کی کفیل ہو سکتیں نسبتاً قلیل رقوم کی منظوری دی۔ اس کے بعد نقطۂ چہارم اور غیر ملکی امداد کے دوسرے پروگرام کفایت شعاری کے حامی ممبران کانگرس کا ہدف خصوصی رہے ہیں۔ بہرحال ٹیکنیکل تعاون کا ادارہ غیر ملکی طور پر کامیاب رہا ہے اور ہندوستان میں تو اسے اور بھی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی ٹیکنیکل مدد کی سکیم اور کولمبو پلان میں بھی امریکہ بہت بھاری چندے دیتا ہے۔

ٹیکنیکل علوم اور مہارتوں کی بہم رسانی کے ساتھ ساتھ امریکہ نے پسماندہ ملکوں کو وسیع پیمانے پر مادی اور مالی مدد بھی دی ہے۔ پچھلے دنوں سے اس قسم کی مدد دیتے وقت تحفظ باہمی کے پروگراموں پر زور رہا ہے اور اس مدد میں کسی قدر فوجی مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی اہمیت اقتصادی بھی ہے۔ مثال کے طور پر جنگی اہمیت کے مال کا ذخیرہ کرنے سے ناترقی یافتہ ملکوں کو فائدہ اس طرح پہنچتا ہے کہ ان کے اہم اہم مال کی مستحکم قیمت پر فروخت یقینی ہو جاتی ہے۔ استحکام دفاع کی مدد براہ راست اقتصادی مدد سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ کمزور ملکوں کے اقتصادی نظام کو فائدہ پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ حکومت امریکہ نے ان ملکوں کو اناج اور کپڑے کے فراخدلانہ عطیے دیے ہیں جنھیں سیلاب، خشک سالی اور دوسری آسمانی مصیبتوں سے نقصان پہنچا۔

برطانوی کامن ویلتھ نے ناترقی یافتہ ملکوں کی مدد کرنے میں نمایاں فرض ادا کیا ہے۔ برطانیہ کو نوآبادیوں کے عوام کی اقتصادی ضرورتوں کا احساس ایک مدت سے ہے اور ان کی ترقی اور بہبود پر بھاری رقوم صرف کرنا برطانوی پالیسی کا ایک اہم حصہ رہا ہے

۱۹۴۵ء میں پارلیمنٹ نے نوآبادیاتی قوموں کی ترقی اور بہبود کے لیے ایک فنڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فنڈ کی مجموعی رقم اب چودہ کروڑ پونڈ ہے۔ آیندہ دس سال یعنی مارچ ۱۹۶۶ء تک اس فنڈ کا بیشتر حصہ ناترقی یافتہ علاقوں میں صرف ہونا تھا۔ اس کے علاوہ نوآبادیاتی ترقی فنڈ کو حکومت کی ضمانت پر دس کروڑ پونڈ قرض لینے کا بھی حق ہے۔ وہ اس وقت مختلف قسم کے منصوبوں کے لیے پانچ کروڑ پونڈ کی منظوری دے چکا ہے۔ ان میں کچھ منصوبے کم کامیاب ہوئے اور کچھ زیادہ لیکن انھوں نے منتخبہ علاقوں کی ترقی اور بہبود میں اضافہ ضرور کیا۔ ایک قابل ذکر منصوبہ خوراک کارپوریشن بھی ہے جو مونگ پھلی کی ناکام سکیم کے لیے کافی مشہور ہوا۔

ناترقی یافتہ خطوں کی مدد کرنے کی مشترکہ بین الاقوامی مہم کی نمایاں ترین مثال کولمبو پلان ہے۔ اس سکیم کا آغاز جنوری ۱۹۵۰ء میں کامن ویلتھ ملکوں کے وزرائے خارجہ کی میٹنگ میں ہوا جو کولمبو کے مقام پر ہوئی تھی۔ اگرچہ اس سکیم کا آغاز کامن ویلتھ نے کیا ہے، لیکن یہ صرف کامن ویلتھ کے ملکوں تک محدود نہیں۔ حال ہی میں امریکہ بھی اس کا باقاعدہ ممبر بن گیا ہے۔ اب اس کے کل ممبروں کی تعداد چودہ ہے جس میں برطانیہ، ہندوستان، پاکستان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کنیڈا، ملایا، سنگاپور، سارا وک اور برطانوی بورنیو، انڈونیشیا، برما، سیلون، لاؤس، کمبوڈیا، اور ویت نام شامل ہیں۔ جاپان، سیام اور فلپائن کو بھی پچھلے دنوں اس میں شامل کر لیا گیا تھا۔ سکیم سولہ سال کے لیے ہے اور اس کی ابتدا یکم جولائی ۱۹۵۱ء سے ہوئی۔

اس سکیم کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ پہلے مدد لینے والا ہر ملک آزادانہ طور پر ترقی کی ایک جامع سکیم تیار کرتا ہے۔ بعد میں مشاورتی کمیٹی جس میں ہر ملک کا مقرر کردہ وزیر شامل ہوتا ہے مختلف سکیموں کا جائزہ لیتی ہے۔ مختلف سکیموں کو مربوط کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک عام سکیم تیار کی جاتی ہے۔ روپیہ برطانیہ، کنیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکہ فراہم کرتے ہیں۔ برطانیہ اپنا حصہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہندوستان، پاکستان اور

سیلون کو چار کروڑ بیس لاکھ پونڈ سالانہ کے حساب سے واجب الادا سٹرلنگ کی ادائیگی قبل از وقت کر دیتا ہے۔ یہ سٹرلنگ مشینری وغیرہ کی خریداری کے لیے برطانیہ میں ہی صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ملایا، سنگاپور، سارا ورک اور بورنیو کی بہبود و ترقی کے لیے برطانیہ براہ راست چندہ ادا کرتا ہے۔ پھر برطانیہ نے پاکستان کو ایک کروڑ پونڈ کا قرضہ بھی دیا اور اس علاقہ میں قرضہ دینے کے لیے عالمی بینک کو بھی کثیر تعداد میں پونڈ مہیا کرتا ہے۔ مدد کے اس پروگرام کے ابتدائی نصف حصے کے لیے کینیڈا نے نوے لاکھ پونڈ کی منظوری دی ہے۔ آسٹریلیا نے اڑھائی کروڑ پونڈ کی اور نیوزی لینڈ نے تیس لاکھ پونڈ کی۔

لیکن مالی پہلو کولمبو پلان کا صرف ایک پہلو ہے۔ مثال کے طور پر ٹیکنیکل تعاون کی سکیم اس پروگرام کا ایک اہم حصہ ہے جس کے لیے روپیہ کامن ویلتھ ممالک مہیا کرتے ہیں۔ تین سال کے لیے اس سکیم پر جو رقم صرف ہوئی وہ دس لاکھ پونڈ تھی۔ اس سکیم کے تحت مختلف ملکوں کو ٹیکنیکل ماہر مہیا کیے جاتے ہیں۔ طالب علموں کو سمندر پار ممالک میں تربیت دی جاتی ہے اور اس قسم کے دوسرے مفید کام بھی کیے جاتے ہیں۔ جون ۱۹۵۲ء تک ممبر ملکوں کی درخواست پر انھیں ۱۷۷ ماہر مہیا کیے گئے، اور ۱۱۴۵ طالب علموں کے لیے مخصوص تربیت کا انتظام کیا گیا۔ اس قسم کے کام میں مدد دینے والے اور مدد لینے والے ملکوں کے درمیان کوئی گہرا امتیاز نہیں ہوتا۔ سبھی اس میں پورا پورا حصہ لے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان نے ہوابازی کی تربیت دینے کی پیش کش کی ہے اور سیلون نے امداد باہمی کے کام میں تربیت دینے کی ذمہ داری کو قبول کیا ہے۔ ہندوستان نے سیلون کو کئی شعبوں کے ماہر مہیا کیے ہیں۔ سکیم کی کامیابی کا ثبوت یہ ہے کہ خود ایشیائی ممالک آپس میں گرمجوشانہ تعاون کرتے ہیں۔ اس میں اگر کوئی رکاوٹ پڑتی ہے تو وہ سرمائے کی قلت کی بنا پر۔

نا ترقی یافتہ ملکوں کی مدد کرنے کے اس تاریخی کام میں دوسرے ملکوں نے بھی حصہ لیا ہے۔ ناروے نے ہندوستان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ وہ ماہی گیری کی صنعت میں ہندوستان

کو ٹیکنیکل مدد دے گا۔ فرانس، بلجیم، پرتگال اور ہالینڈ نے بھی اپنے محکوم سمندر پار علاقوں کی ترقی کے لیے وسیع پروگرام مرتب کیے ہیں۔

مغربی دنیا نے ناترقی یافتہ ملکوں کی مدد کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ مجموعی طور پر قابلِ ستائش ہی ہیں۔ مدد کی سرگرمیوں کی سست رفتاری کا باعث صرف وسائل کی قلت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک جو کام ہوا ہے وہ نصف بھی نہیں۔ یہ تو کام کی صرف ابتدا ہے۔

مغربی دنیا کا اقتصادی تعاون کسی اور براعظم کے مقابلے میں زیادہ تر یورپ میں ہی مرتکز رہا ہے۔ لیکن دوسرے علاقوں میں بھی اقتصادی تعاون کے سلسلے میں اہم قدم اٹھائے گئے ہیں۔ برطانوی کامن ویلتھ کے اندر تعاون صرف بعد از جنگ کا واقعہ ہرگز نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ایک دیرینہ روایت ہے۔ بہرحال کامن ویلتھ ممالک میں اقتصادی تعاون کے چند نئے پہلو بھی ہیں جو قابل ذکر ہیں۔

جنگ کے بعد کی اقتصادی صورت حال کی وجہ سے جن مشکلات کا سامنا ہوا۔ ان میں کامن ویلتھ کے ممالک کسی نہ کسی حد تک برطانیہ کے شریک حال تھے۔ کامن ویلتھ کے مختلف شرکاء کے درمیان جو مالی اور تجارتی رابطے تھے وہ زیادہ قریبی ہو گئے۔ سٹرلنگ رقبے کی حدیں سکڑ گئیں حتیٰ کہ جنگ کے بعد اس میں غیر کامن ویلتھ ملکوں کی تعداد معدودے چند رہ گئی۔ کامن ویلتھ ممالک میں صرف کنیڈا اور ایک یا دو کریبیئن جزائر سٹرلنگ رقبے سے باہر رہے۔ یہ رقبہ ایک زیادہ اکائی بن گیا، اور اس کی داخلی ڈسپلن اور تنظیمی مشینری میں سختی آ گئی۔ کمیاب کرنسیوں کے مشترکہ ذخیرے کا امین ہونے کی حیثیت سے برطانیہ کو سٹرلنگ رقبے میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

لیکن جنگ کے بعد سٹرلنگ رقبے کو یکے بعد دیگرے دو سالہ بحرانوں سے پالا پڑ گیا جو ۱۹۴۷ء ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۱ء میں رونما ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے پہلے بحران کا تعلق اس مختصر تجربے سے وابستہ تھا کہ سٹرلنگ کو مکمل طور پر تبادلہ پذیر بنا دیا جائے۔ جنگ کے دوران تبادلے

اور تجارتی کنٹرولوں کا ایک پیچیدہ نظام قائم کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ جنگ کے بعد بھی یہ پابندیاں بہت بڑی حد تک قائم رہیں تاکہ جو تھوڑے بہت ریزرو ہیں ان کا تحفظ کیا جائے لیکن برطانیہ کو حکومت امریکہ کی طرف سے تین کھرب پچھتر ارب ڈالروں کا جو بڑا قرضہ ملا اس کے عوض برطانیہ نے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ ۱۹۴۷ء کے اواخر تک پونڈ کا آزادانہ تبادلہ بحال کر دے گا، بعد میں پتہ چلا کہ مقررہ تاریخ قبل از وقت تھی۔ پونڈ کے آزاد ہوتے ہی اس پر یلغار شروع ہوگئی اور چند ہی ہفتے کے اندر اندر یعنی ۲۰ اگست کو پونڈ کا ڈالروں میں تبادلہ بند کرنا پڑا۔ اس تبادلہ کو پوری طرح بحال اس وقت تک نہیں کیا گیا۔

۱۹۴۹ء کے بحران میں یہ صورت حال پھر سامنے آئی کہ ادائیگیوں کے توازن میں بڑھتی ہوئی خلیج کی بنا پر سٹرلنگ رقبے کے ریزرو ختم ہو رہے ہیں۔ ریزرو کے خاتمے کی رفتار بڑھتی ہی جا رہی تھی چنانچہ اس سال ستمبر میں یہ فیصلہ کرنا پڑ گیا کہ پونڈ کی قیمت گھٹا دی جائے۔ کامن ویلتھ اور سٹرلنگ رقبے کے بیشتر ممبروں نے اس مثال کی پیروی کی اور امریکی ڈالر کے مقابلے میں اپنی شرح تبادلہ میں ۳۰ فی صدی تک کمی کر دی۔ یہ سٹرلنگ گروپ کی وحدت اور اس کی داخلی تنظیم کا ایک موثر مظاہرہ تھا۔

دور دراز آزاد ملکوں نے کسی بھی مجبوری کے بغیر خود ضبطی کا جس حد تک مظاہرہ کیا ہے وہ بھی بہت متاثر کن ہے۔ مرکزی محفوظات کو برقرار رکھنے کے لیے بیشتر سٹرلنگ ممالک نے کمیاب کرنسی والے ملکوں سے درآمد کو محدود کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ کامن ویلتھ حکومتیں اس قسم کی پالیسیوں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی رہی ہیں۔ جن کا مقصد اپنے ملکوں میں افراط زر کا انسداد تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سٹرلنگ رقبے نے ایک منصوبے کے تحت واحد یونٹ کی طرح کام کیا ہے۔

تعاون کی اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً غیر ملکی مدد کے عالمی پروگراموں کے علاوہ امریکہ نے اپنے طور پر بھی متعدد کامیابیوں کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جاپان کے اقتصادی نظام کو پورے

طور پر بحال کرنے کی ذمہ داری اس نے قریب قریب تنہا طور پر ہی اپنے کاندھے پر لے لی ہے۔ اس نے فلپائن، سیام اور لاطینی امریکہ کے متعدد ملکوں کو مدد دی ہے۔ اس نے آہنی پردے کے کمیونسٹ ممالک تک کو ہنگامی مدد دی ہے۔ حال ہی میں اس نے ان ملکوں کی مدد کی جنھیں سیلاب سے نقصان پہنچا تھا۔ امریکہ کی اس فراخدلی سے مشرقی اور مغربی دونوں یورپ ہی بہرہ مند ہوئے۔ جب پاکستان اور ہندوستان کو خشک سالی کا سامنا ہوا تو امریکہ نے وہاں وسیع پیمانے پر اناج بھیجا۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ نے مدد آزادانہ بھی دی ہے اور کسی پس وپیش کے بغیر بھی۔

لہٰذا اگر امریکہ کی بعد کی پالیسیوں کے متعلق کچھ نکتہ چینی کے الفاظ لکھے گئے ہیں تو ان کے پیچھے کوئی عناد کا جذبہ نہیں۔ مارشل پلان اور نکتہ چہارم کے تصور کی تعریف پہلے ہی بہت کر دی گئی ہے لیکن جیسے جیسے وقت گذر رہا ہے نتائج کا بے صبری سے انتظار کرنے والے امریکی غیر ملکی مدد کے تصور سے زیادہ سے زیادہ دل برداشتہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔ غیر ملکی مدد پر امریکی ٹیکس دہندگان کا روپیہ صرف ہوتا ہے اور اس کے عوض انھیں ملتا کیا ہے؟ مایوسی، ناکامی اور بسا اوقات غداری بھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فوجی مدد کے پروگرام جنھوں نے بہت بڑی حد تک اقتصادی مدد کی جگہ لی ہے، امریکی عوام کو زیادہ معقول نظر آتے ہیں۔ کم از کم انھیں یہ تو نظر آتا ہے کہ ان کے اتحادی فوجی طور پر قوی تر بن رہے ہیں۔ پھر اس کے علاوہ اس قسم کی مدد حاصل کرنے والے حقیقی یا فرضی طور پر اس مدد کا فوری مصرف یہ نہیں کرتے کہ امریکی مال کو عالمی بازاروں سے نکال دیا جائے۔

ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو کمیونسٹ طاقتوں کے جارحانہ اقدام کے خطرے کے مقابلے میں ایک مضبوط دفاعی نظام قائم کرنے کی اہمیت پر شک کریں۔ لیکن بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مدد کے پروگرام کو اس طرح محدود کر دینا کوتاہ نظری بھی ہے اور بالآخر خود اپنے ہی مقاصد کی شکست کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

آخر میں ایمانداری کے ساتھ یہ بات کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ امریکہ کی تجارتی پالیسی جو ابھی تک محدود ہے ایک ایسے ملک کے فرائض کو جو آزاد دنیا کا لیڈر ہے پورا نہیں کرتی۔ یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا قارض ملک تحفظات کی پالیسی پر اس حد تک عمل کرے جس حد تک امریکہ کر رہا ہے۔